مسلمانوں میں فکری جموداور مغربی تقلید کے رجحان کا جائزہ

از:

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر (ڈائریکٹر سیرت چیئر، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور)

عمر حیات (اسسٹنٹ پروفیسر، علومِ اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد)

فہم وشعور انسان کا بنیادی امتیاز ہے۔ اسی بناء پر اِس سے تقاضا کیا گیا کہ وہ غور وفکر سے کام لے غلط اور صحیح میں تمیز کرے اور بغیر سوچے سمجھے کوئی قدم نہ اُٹھائے۔ آنکھیں بند کر کے دوسروں کے پیچھے نہ چلے۔ اِسلامی تعلیمات میں اس سلسلے میں بطور خاص خبردار کیا گیا ہے کہ اندھی تقلید انسان کی حقیقی ترقی کی راہیں مسدود کر دیتی ہے۔ بدقسمتی سے یہ رجحان مسلمانوں کے اندر پیدا ہو گیا، جو بڑھتے بڑھتے ایک قومی المیے کی شکل اختیار کر گیا۔ مسلمانوں کے اندر اس رجحان کو فروغ دینے میں بنیادی کرداران کی مذہبی تنگ نظری نے ادا کیا ہے۔ بلکہ وسیع تر تقلید کا رجحان مسلمانوں کے اجتماعی زوال کا باعث ثابت ہوا ہے۔ سیّد امیر علی تقلید کو مسلمانوں کے زوال کا سبب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مسلم جماعتوں کے موجودہ جمود کا سب سے بڑا باعث یہ غلط خیال ہے جس نے مسلمانوں کی اکثریت پر قبضہ جمالیا ہے کہ اجتہاد ذاتی کا حق فقہائے قدیم پر ختم ہو گیا اور اس زمانے میں اس کی مشق گناہ ہے۔ اسی کی ایک شق یہ خیال ہے کہ ایک مسلمان صرف اس صورت میں صحیح العقیدہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ ائمۂ اربعہ میں سے کسی ایک کا مقلد ہو۔۔۔ پیغمبر اسلامؐ نے فکر کو ذہنِ انسانی کا سب سے اہم وظیفہ کہا تھا۔ ہمارے مکتبی اربابِ فقہ اوران کے غلامانہ ذہنیتوں والے مقلد اسے

بروئے کار لانے کو گناہ اور جرم قرار دیتے ہیں۔۔۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جو قواعد و ضوابط آج کل مسلمانوں کے ضمیروں پر حکمران ہیں ان میں اکثر و بیشتر ایسے ہیں جو نصوصِ قرآنی پر مبنی نہیں۔''[1]

اندھی تقلید کا رجحان انسان کو حقیقتِ حال سے دُور رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے اندر اس رجحان کی پیدا کردہ خرابی یہ ہے کہ وہ دین کے وسیع تر تصور اور تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر دین میں تو یہ وسعت ہو کہ بیماری کا علاج دواؤں سے کیا جائے اور جدید طبی سہولتوں سے استفادہ کیا جائے مگر کوئی شخص اس بات پر اصرار کرے کہ علاج صرف تعویذ گنڈے وغیرہ ہی سے ممکن ہے۔ یا یہ خیال کہ چونکہ جدید ذرائع ابلاغ فحاشی پھیلاتے ہیں، ان کے اچھے پہلوؤں کو بھی نظر انداز کر دیا جائے۔ اس طرح معروضی حالات اور عصری تقاضوں کو سمجھنے کی راہ مسدود ہوتی ہے اور مخالف اقوام اپنے خاص مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوتی ہیں۔

خورشید ندیم اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''علمائے اُمت صدیوں سے تقلید کے طریقے پر گامزن ہیں، وہ ماضی بعید کے اہلِ علم کی تحقیقات اور آراء ہی کو حرفِ آخر سمجھتے اور قرآن و سنت پر از سر نو غور کرنے کے خلاف ہیں مگر موجودہ زمانے میں تمدن کے ارتقا نے جو مسائل پیدا کر دیے ہیں وہ اُن سے صرفِ نظر کرتے ہوئے قدیم علماء ہی کی دینی توضیحات کو اختیار کرنے پر مُصر ہیں۔ چنانچہ اس اَمر کی ضرورت ہے کہ اجتہاد کے بند دروازے کو کھولا جائے اور اہلِ علم دورِ جدید کے تقاضوں کے پیشِ نظر قرآن و سنت کے احکام کی تعبیر و تشریح کریں۔''[2]

اسلاف کے افکار و آراء اور ماضی کے اہلِ علم سے استفادہ کرنا ضروری ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ زمانے کے نئے تقاضوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دونوں کو ہم آہنگ کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہی کامیابی کا زینہ ہے۔

غلام احمد پرویز- بمصداق ''و قد یصدق الکذوب'' نے اپنی کتاب 'اسباب زوال اُمت' میں تقلید کو مسلمانوں کی حقیقی ترقی میں ایک بڑی رکاوٹ قرار دیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ:

> ''صدیوں کی تقلید سے مسلمانوں کا ذہن مساجد کے حجروں اور خانقاہوں کے غاروں کی طرح تاریک ہو چکا ہے جس میں عقل کی روشنی کی کوئی شعاع کہیں سے بار نہیں پا سکتی۔''[۳۳]

دین فطرت (اسلام) ہر دَور کے اِنسانی تقاضے پورے کرنے کی بھرپور صلاحیت کا حامل ہے۔ اس میں انسان کو حصولِ علم اور فکر و تدبر کی دعوت دی گئی ہے تا کہ وہ دِین کے اِس پہلو سے استفادہ کرتے ہوئے زندگی کو جمود سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ جمود کے باعث اقوام اپنے اصل تہذیب و تشخص کا دفاع کرنے میں ناکام ہو جاتی ہیں اور اُن کے اندر غیر اقوام کی تقلید کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ تقلید کے رجحان کے مجموعی طور پر دو مضرات ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ تقاضائے شریعت کو نظر انداز کرتے ہوئے فکر و تحقیق سے کنارہ کشی اختیار کر لینا اور زمانے کے نئے تقاضوں کے پس منظر میں دین و شریعت کے اصولوں سے استفادہ نہ کرنا۔

۲۔ دوسرے اپنے تہذیب و تمدن کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو کر دوسری اقوام کی تہذیب و معاشرت کو قبول کر لینا۔

خلیفہ عبدالحکیم مسلمانوں کے نوجوان طبقے کو غیروں کی تقلید اور مغربی تہذیب کی فریب کاری سے خبردار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''تہذیب حاضر کے پرستار نوجوان تقلید فرنگ میں اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں کہ ہم میں نئی روشنی اور علم و فن کی تنویر پیدا ہو گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام نمائشی چہل پہل حیاتِ مستعار ہے۔ ملت کے اپنے نفوس میں کچھ نہیں اُبھرا۔ ایسے

غلامانہ ذہنیت والے لوگوں کی بیداری، بیداری نہیں اور ان کی آزادی غلامی کی پردہ دار ہے۔''[۴]

مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ انھوں نے غیروں کی نقالی کرتے ہوئے اپنی تہذیب کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ چنانچہ ہمارے عادات واطوار بدل گئے ہیں اور رسم ورواج میں غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کی جھلک نمایاں ہو چکی ہے۔ جس پر اقبال بانگ درا میں اپنے شہرہ آفاق ''جواب شکوہ'' میں نوحہ کناں ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

دوسری طرف مسلمانوں کی اکثریت اِسے اپنانے پر فخر کرتے ہوئے اس کی قباحت کے ادراک سے محروم ہے ـــــ سنڈے میگزین نوائے وقت کی مضمون نگار ملیحہ آفتاب اِس صورتِ حال کا جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''اب مغربی معاشرے کی تقلید کرتے ہوئے مہمانوں کو بیرونی یلغار کی غماز کولڈ ڈرنک اور چائے پیش کی جاتی ہے۔ اِسی طرح ہمارے کھانے کی عادات میں بھی واضح تبدیلیاں نمودار ہو رہی ہیں۔ ہماری نئی نسل روائتی کھانوں سے بیزار نظر آتی ہے ـــ یہ سب اس ثقافتی یلغار ہی کا نتیجہ ہے جو دنیا میں بسنے والی قوموں کو ایک ایسی ثقافت کی طرف لے جا رہی ہے جہاں ہر قوم کی امتیازی وانفرادی خصوصیات کفن کا لبادہ اوڑھ کر زمیں بوس ہو جائیں اور ہر قوم میں ایک ہی ثقافت کی جھلک نمایاں ہوگی جسے فی الوقت گلوبلائزیشن کا نام دیا جا رہا ہے۔''[۵]

مذکورہ مضمون نگار نے اِس بات کو پاکستانی مسلمانوں کا المیہ قرار دیا ہے کہ وہ فلمی اداکاروں کی تقلید پر فخر محسوس کرتے ہیں:

''اب صرف آرٹسٹوں اور سنگرز کی تقلید کی جاتی ہے۔ خاص طور پر پاکستانی

معاشرے کا المیہ ہے کہ بھارتی اداکار اور اداکارائیں اس قدر نوجوانوں کے ذہنوں پر غالب آ چکی ہیں کہ ہر محفل میں کسی نہ کسی طور اُن کا ذکر بڑے فخر سے کیا جاتا ہے۔ شاید اتنی توجہ انہوں نے اپنی تعلیم پر نہیں دی ہوگی جتنی توجہ اور لگن سے وہ ان اداکاروں کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں۔'' [6]

فکر و تدبر کے فقدان اور جہالت کے باعث لوگ اندھیرے میں رہتے ہیں چنانچہ غیر مسلم اقوام کے تہوار اور رسم و رواج کی ظاہری کشش مسلمانوں کو متاثر کرتی ہے اور وہ بلا سوچے سمجھے اُس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ملیحہ آفتاب بسنت کے بارے میں پاکستانی مسلمانوں کے رویے پر تبصرہ کرتی ہیں کہ:

''یہ تہوار (بسنت) بظاہر ایک ایسا تہوار ہے جو ہندو معاشرے سے متاثر ہوکر ہمارے معاشرے میں اپنایا گیا مگر شاید بھارت میں اِس تہوار کو اس قدر شدتِ جذبات کے ساتھ نہیں منایا جاتا جتنا پاکستانی معاشرے میں منایا جاتا ہے۔'' [7]

نذر الحفیظ ندوی مغربی ذرائع ابلاغ کی تقلید میں مشرقی ممالک کے ذرائع ابلاغ کے رجحان کے بارے میں کہتے ہیں:

''عرب ممالک کے ٹی وی اسٹیشن بچوں کے لیے وہی پروگرام دکھاتے ہیں جو امریکہ میں تیار کیے جاتے ہیں۔'' [8]

ذرائع ابلاغ کی تقلید کا یہ رجحان اس سے کہیں آگے ہے اور تجزیہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے الیکٹرانک میڈیا ہر پہلو سے مغرب کی پیروی کر رہے ہیں۔

مسلمانوں کے اندر تقلید کے رجحان نے نہ صرف مذہبی طور پر بلکہ تہذیبی، معاشی اور سیاسی لحاظ سے بھی نقصان پہنچایا' جس سے بالآخر زوال کی راہیں ہموار ہوئیں اور غیر اقوام کو اپنا اثر و رسوخ جمانے کا موقع ملا ــــ کلیفورڈ ای باسورتھ نے مصر میں ری پبلکن حکومت کے قیام کے سلسلے میں مصر کے ایک گورنر محمد علی پاشا (۱۷۶۹ء تا ۱۸۴۹ء) کی ذہنی غلامی و مرعوبیت اور غیروں کی تقلید کو مصر کی معاشی

غلامی کا ذمے دار قرار دیا ہے۔

''محمد علی کی اصل وجہ شہرت اس کی جانب سے یہ تسلیم کرنا تھا کہ اُس کا صوبہ مصر تبھی ترقی کر سکتا ہے جب مغرب میں اختیار کردہ تکنیکی دریافتیں، عسکری طور طریقے اور تعلیمی نظام وہاں بھی متعارف کروائے جائیں، چنانچہ اسے اس کے ہم عصر عثمانی سلاطین سلیم سوم اور محمد دوم کی صف میں کھڑا کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ بھی مشرقِ وسطیٰ میں مغربی طور طریقے متعارف کروانے والے اوّلین افراد میں شامل تھے۔۔۔محمد علی کا دورِ حکومت ختم ہونے پر مصر پر قرضے کا بوجھ پڑ چکا تھا اور یورپی بادشاہوں کی شان و شوکت کی نقالی کرنے کی خواہش نے اس میں اور اضافہ کر دیا۔''[9]

دوسروں کی ترقی کا راز معلوم کر کے اُسے آزمانے کی کوشش کرنا اور اچھی باتوں اور صحیح نکتۂ نظر میں کسی کی پیروی کرنا بُری بات نہیں بلکہ ایسے رجحان کو سراہا جاتا ہے اور اسلام اس رجحان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ حکمت کی بات جہاں سے بھی ملے اخذ کر لینی چاہیے۔ ہر قوم میں اچھی باتیں ضرور ہوتی ہیں، ان کو اپنانے میں مضائقہ نہیں۔ البتہ بغیر سوچے سمجھے، محض کسی قوم سے مرعوب ہو کر اُس کی روایات اور پالیسیوں کو اختیار کر لینا اندھی تقلید ہے جو بالآخر مختلف حوالوں سے خرابی اور نقصان کا باعث ہے۔

شیخ محمد اکرام نے مسلمان ممالک میں اس رجحان کا جائزہ لیتے ہوئے مصر اور ایران کے حکمرانوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، انہوں نے 'موجِ کوثر' میں لکھا ہے کہ:

''لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ماضی میں اسلامی ممالک نے بالعموم مغرب کی انہی باتوں کو اخذ کیا ہے جو ظاہری تھیں، جن کا اخذ کرنا آسان تھا اور جنہیں حقیقتاً مغرب کی ترقی سے کوئی اصولی تعلق نہ تھا۔۔۔انیسویں صدی میں مصر کے دو حاکموں یعنی سعید پاشا اور اسماعیل پاشا نے اصلاح اور ترقی کی بڑی کوشش کی۔ قاہرہ کو رشکِ پیرس بنا دیا اور مصر کو یورپ کے ہم پایہ کر دیا۔ اسماعیل نے ۱۸۷۸ء میں بڑے فخر سے

اعلان کیا کہ ''میرا ملک اب افریقہ کا حصہ نہیں''! لیکن نتیجہ؟ ملک کا ملک فرانس اور انگلستان کے ہاتھ رگروُ ہو گیا اور جب اسماعیل مرا تو ملک کا حاکم اُس کا جانشین توفیق پاشا نہ تھا بلکہ لارڈ کرومر۔ ایران میں بھی یہی ہوا۔ ناصرالدین شاہ قاچار نے یورپ کے کئی سفر کیے۔ اپنے ملک میں تہذیب کی نئی روشنی پھیلانے کی کوشش کی لیکن کس طرح؟ سارے ملک میں تمباکو کی کاشت کا ٹھیکہ ایک مغربی کمپنی کو دے کر۔''[10]

کسی پسماندہ ملک کا کسی دوسرے مادی لحاظ سے ترقی یافتہ ملک پر انحصار کرتے ہوئے ویسا بننے کی کوشش کرنا کئی لحاظ سے قابلِ بحث ہو سکتا ہے۔ یہ بات اسلامی ممالک کے لیے خاص لمحۂ فکریہ کی حامل ہے' کیونکہ مادی طور پر کوئی بھی طاقتور ملک نہیں چاہے گا کہ کوئی غریب ملک اُس کا ہم پلہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ ترقی وخوش حالی کے نام پر اس کے ساتھ ایسی حکمتِ عملی اپنائے گا کہ وہ بظاہر ترقی کرتا ہوا دکھائی دے مگر اندر ہی اندر زوال سے ہمکنار ہو جائے۔ دوسروں سے قرض لے کر خوشحالی کی بجائے غلامی ہاتھ آتی ہے۔ امریکہ و یورپ اگر اسلامی ممالک میں فروغِ تعلیم کی بات کرتے ہیں۔ تو لامحالہ وہ تعلیم اسلامی نظریاتی نہیں ہو سکتی' بلکہ وہ ایسی تعلیم ہو گی جس سے اسلامی تہذیب و تشخص پر زد پڑتی ہو۔ گویا دوسروں پر انحصار اور تقلید قوموں کی زندگی میں محکومی کا باعث ہے۔

علامہ فرید وجدی آفندی نے اِس حوالے سے خبردار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''یورپ تو دنیا بھر کے متضاد اور عجیب وغریب خیالات کا مخزن ہے۔ یورپ میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو مذہب کے قدیم سلسلے کے مخالف ہیں۔ وہ بھی ہیں جو اباحتِ عامہ کے قائل ہیں اور ہر قسم کی انسانی خواہشوں اور ارادوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ بھی ہیں جو تمدن و معاشرت کی تمام خواہشوں کو فضول سمجھتے ہیں اور نظامِ حکومت کے دشمن ہیں۔ وہ بھی ہیں جو روحانیت کے خیال کو ایک خبط اور وحشت بتلاتے ہیں تو کیا اہلِ مشرق پر واجب ہے کہ ہر قسم کی آواز جو سرزمین مغرب سے بلند ہو۔۔۔ اس کے آگے اطاعت اور تسلیم کا سر جھکا دیں؟''[11]

عالمِ اسلام کا بہت بڑا المیہ خلافت کا خاتمہ تھا۔ ترکی کی عثمانی سلطنت کے زوال میں اس سبب کا خاص دخل تھا کہ وہاں مغرب اور مغربی تہذیب سے متاثر ایک طبقہ وجود میں آ چکا تھا اور رفتہ رفتہ ترکی میں کچھ ایسے حکمران برسرِ اقتدار آئے جنہوں نے نظریاتی اور تہذیبی لحاظ سے نقشہ بدل دیا اور ترک قوم کو ہر طرح سے مغرب کا مقلد بنا کے رکھ دیا۔ اس سلسلے میں مصطفیٰ کمال پاشا (اتاترک) کا نام اور کام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی نے اپنی ایک تصنیف میں اتاترک کے مستند ترک سوانح نگار عرفان اورگا (Irfan Orga) کے حوالے سے اُس کے مزاج اور کارناموں کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے لیے 'Sex' میں مقناطیسی کشش تھی' وہ شراب نوشی سے تسکین حاصل کرتا تھا۔ روحانی تسکین کے لیے اُس کے اندر خدا کا اعتقاد نہ تھا' وہ دوسروں کے جذبات کو تسلیم نہیں کرتا تھا' اس نے مذہبی اقتدار سے آزادی حاصل کرنے کی پُرزور حمایت کی' اس نے شریعت اور اسلامی قانون کی تشریح کرنے والی عدالتوں کے خاتمے کی وکالت کی۔ اس کی اصل جنگ مذہب کے خلاف تھی' اُس نے اِس بات کو نظر انداز کر دیا تھا کہ اسلام ہی کی عطا کی ہوئی وحدت نے وسیع عثمانی سلطنت کی تعمیر کی تھی۔ اس کا عقیدہ تھا کہ خدا کا کہیں وجود نہیں۔ اس نے ترک قوم کو مذہب کی جگہ 'مغربی تہذیب' کے روپ میں 'نئے دیوتا' سے متعارف کرایا۔ وہ اسلام اور علماء کی توہین کرتا تھا۔ وہ اپنی قوم سے کہتا تھا کہ ہم کو ایک مہذب قوم کا سا لباس پہننا چاہیے' دوسری قوم کے لوگوں کو اپنے پُرانے فیشن کے لباس پر ہنسنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔ اس نے ترکی ٹوپی کو خلافِ قانون قرار دیا اور ہیٹ کو لازم۔ ۱۹۲۷ء میں مکہ مکرمہ میں مؤتمر اسلامی کے اجلاس میں اسلامی ممالک میں ترکی واحد ملک تھا جس نے ہیٹ پہن کر ترکی کی نمائندگی کی'' [۱۲]

مولانا ندوی نے مزید لکھا ہے:

''کمال اتاترک نے واقعتہً قوم پر فتح پائی' ملک کو سیکولر اسٹیٹ میں تبدیل کر دیا جس میں اسلام کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل نہیں رہی' دین وسیاست میں تفریق

ہوگئی اور یہ فیصلہ کرلیا گیا کہ مذہب اِنسان کا ذاتی معاملہ ہے۔۔۔ خلافت کے اِدارے کو ختم کر دیا گیا' شرعی اداروں اور محکموں اور اسلامی قانونِ شریعت کو ملک سے بے دخل کر کے سوئٹزر لینڈ کا قانونِ دیوانی' اٹلی کا قانونِ فوجداری اور جرمنی کا قانون بین الاقوامی تجارت نافذ کیا گیا اور پرسنل لاء کو یورپ کے قانون دیوانی کے مطابق و ماتحت کر دیا۔ دینی تعلیم ممنوع قرار پائی' پردہ کو خلافِ قانون قرار دے دیا' مخلوط تعلیم کا نفاذ کیا گیا' عربی حروف کی جگہ لاطینی حروف جاری ہوئے' عربی میں اذان ممنوع قرار پائی' قوم کا لباس تبدیل ہوگیا' ہیٹ کا استعمال لازمی قرار پایا۔'' [۱۳]

کمال اتاترک کا تشکیل کردہ ترک معاشرہ غیر اسلامی تہذیب و معاشرت کا آئینہ دار تھا۔ ملک و قوم کو احساسِ کمتری میں مبتلا کر کے مغربی تہذیب و تمدن سے مرعوب کیا گیا اور اسلامی اقدار کے خلاف کھلی مہم چلا کر اُس کے اندر غیروں کی تقلید کا رجحان پیدا کر دیا جس کے نتیجے میں ترکوں کا اسلامی تشخص مجروح ہوا۔ قومیں جب اپنے لیڈروں کی قیادت میں دوسروں کی نقالی و تقلید کرتی ہیں تو اُس کے اثرات زیادہ منفی اور بھیانک ہوا کرتے ہیں۔

ترکی میں عثمانی خلافت عالمِ اسلام کی مرکزیت کی علامت تھی۔ اگرچہ کچھ لوگ اسے ملوکیت سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ سیّد عتیق الرحمٰن نے اپنی کتاب میں لکھا' تاہم اتاترک انقلاب نے جس جبری آمریت کو جنم دیا اُس کے دوررس منفی اثرات مرتب ہوئے۔

''بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاٹ کھانے والی ملوکیت سلطنت عثمانیہ کے ختم ہونے سے ختم ہوگئی اور اب جبری حکومت کا دَور آ گیا ہے' جس کا مظہر یہ بے شمار انقلابات ہیں جو انقلاب لانے والوں کو قوم کی رائے کے بغیر اور عوام کے حقوق کو سلب کرتے ہوئے حکومت کا مالک بنا دیتے ہیں۔ ایسی ڈکٹیٹر شپ ہے جس کی ابتداء کمال اتاترک نے ترکی میں کی اور پھر یہ سلسلہ ہر جگہ شروع ہوگیا۔'' [۱۴]

علامہ ابنِ خلدون نے قوموں کے اندر تقلید کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''طبیعت انسان کی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ آدمی جس کا مطیع و منقاد ہو جاتا ہے اُس کو اپنے سے کامل سمجھنے لگتا ہے۔ کامل سمجھنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یا تو وہ واقعی طور پر غالب میں کوئی ایسی بات پاتا ہے جو اُس کے نزدیک تعظیم و تکریم کے قابل ہے یا وہ دھوکا کھا کر سمجھتا ہے کہ مجھ پر اس کو جو غلبہ حاصل ہوا ہے' یہ غلبہ طبعی نہیں ہے بلکہ اُس کے کمال غالب نے مجھے مغلوب کیا ہے۔۔۔ پس وہ اپنی کمی کو پورا کرنے کے لیے غالب کی ہر بات اختیار کرتا ہے اور اُس سے تشبہ پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتا۔ اِسی کو تقلید و اقتداء کہتے ہیں۔'' [15]

کامل نظام زندگی دین اسلام اور بہترین تہذیب' اسلامی تہذیب ہے مگر مسلمانوں نے دھوکے میں آ کر مغربی افکار و نظریات اور تہذیب و تمدن کو برتر سمجھا اور اسے اپنانے میں اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا۔

مولانا محمد حنیف ندوی' افکار ابنِ خلدون میں لکھتے ہیں:

''مغلوب قومیں ہمیشہ غالب اقوام کی تقلید کرتی ہیں کیونکہ نفسِ انسانی کی یہ کمزوری ہے کہ جن لوگوں کی اطاعت و پیروی پر وہ مجبور ہوتا ہے ان میں غیر شعوری طور پر ایک طرح کے کمال کو مانتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ کمال اُس میں منتقل ہو جائے۔ یا اس کو یہ غلط فہمی تقلید پر اُبھارتی اور اُکساتی ہے کہ ان قوموں کو ہم پر جو غلبہ و استیلاء حاصل ہوا ہے تو اس لیے نہیں کہ اس کے پیچھے کوئی قانون کارفرما ہے بلکہ اس لیے کہ یہ ان کمالات سے متصف ہے۔ یہ غلط فہمی جب مذہب و اعتقاد کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو پھر غالب اقوام کے تمام خیالات و افکار کو اپنانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اکثر دیکھیں گے کہ مغلوب و مقہور قومیں کھانے پینے' لباس پہننے اور اسلحہ اُٹھانے تک میں حکمران قوموں کی تہذیب و تمدن کو اختیار کر لیتی ہیں۔'' [16]

برصغیر میں مسلمانوں کا دورِ اقتدار بہت طویل ہے جو بالآخر سترھویں صدی عیسوی سے زوال

پذیر ہوتا چلا گیا۔ اس زوال کا تجزیہ کیا جائے تو مختلف وجوہات میں نقالی اور تقلید کا عنصر بہت نمایاں رہا۔ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے تحریکِ آزادی کے پس منظر میں مسلمانوں کی سیاسی کشمکش اور ابتری کی صورتِ حال پر مشتمل خصوصی مضامین ۱۷ شائع کیے تھے۔ ان میں وہ ایک جگہ مسلمانوں کی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خواہشات نفس کو انہوں نے اپنا معبود بنالیا ہے اور یہ معبود اس مغربی تہذیب کی طرف انہیں لیے جا رہا ہے، جس نے نفس کی ہر خواہش اور لذتِ نفس کی ہر طلب کو پورا کرنے کا ذمہ لے رکھا ہے، وہ مسلمان ہونے پر نہیں بلکہ ماڈرن ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ وہ اہلِ فرنگ کی ایک ایک ادا پر جاں نثار کرتے ہیں، لباس میں، معاشرت میں، کھانے اور پینے میں، میل جول اور بات چیت میں حتیٰ کہ اپنے ناموں تک میں وہ ان کا ہو بہو چربہ بن جانا چاہتے ہیں۔ انہیں ہر اُس طریقے سے نفرت ہے، جس کا حکم مذہب نے ان کو دیا ہے اور ہر اس کام سے رغبت ہے جس کی طرف مغربی تہذیب انہیں بلاتی ہے۔'' ۱۸

حوالہ جات

۱۔ امیر علی، سیّد، سپرٹ آف اسلام (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور) ص:۳۰۶ - ۳۰۷،

۲۔ خورشید ندیم، عالمِ اسلام کے فکری مسائل (مضمون) (ماہنامہ 'الشریعۃ' گوجرانوالہ، اگست ۲۰۰۲ء) ص:۲۶

۳۔ پرویز، غلام احمد، اسبابِ زوال اُمت (ادارہ طلوعِ اسلام کراچی، ۱۹۵۲ء) ص:۱۰۳

۴۔ عبدالحکیم، خلیفہ، ڈاکٹر، فکراقبال (ادارہ ثقافت اسلامیہ ، لاہور) ص:۱۷۷۔۱۷۸

۵۔ ملیحہ آفتاب، ثقافتی یلغار، سنڈے میگزین (نوائے وقت لاہور، ۱۶/جون ۲۰۰۲ء) ص:۵

۶۔ ایضاً، ص:۵

۷۔ ایضاً، ص:۵

۸۔ ندوی، نذرالحفیظ، مغربی میڈیا اور اس کے اثرات (مجلس نشریاتِ اسلام ، کراچی، ۲۰۰۱ء) ص:۷۶

۹۔ باسورتھ، کلیفورڈ۔ای، Islamic Dynasties، ص:۷۳۔۷۴

۱۰۔ محمد اکرام، شیخ، موجِ کوثر (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۲۱واں ایڈیشن: ۲۰۰۰ء) ص: ۳۳۴

۱۱۔ فرید وجدی، المرأۃ المسلمہ، ترجمہ: مولانا ابوالکلام آزاد، ص: ۳۲

۱۲۔ ندوی، ابوالحسن علی سیّد، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش (مجلس نشریاتِ اسلام کراچی) ص: ۷۴۔۸۰

۱۳۔ ندوی ابوالحسن علی سیّد ایضاً ص: ۸۱۔۸۲

۱۴۔ عثمانی شاہ عتیق الرحمٰن سیّد عروج ملت اسلامیہ کا فیصلہ کن مرحلہ (مطبع: نامعلوم) ملنے کا پتہ: دوکان نمبرا بابو بلڈنگ گذرآباد جین روڈ رنچھوڑلائن کراچی نمبر۳ س۔ن) ص: الف۔ب

۱۵۔ ابن خلدون مقدمہ تاریخ ابن خلدون ص: ۱۳۷

۱۶۔ ندوی محمد حنیف مولانا افکار ابن خلدون (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور پانچواں ایڈیشن: ۱۹۸۴ء) ص: ۱۱۱

۱۷۔ خصوصی مضامین جو سیّد مودودی نے ۱۹۳۷ء میں لکھنے شروع کیے تھے اور ۱۹۳۹ء تک ’ترجمان القرآن‘ میں سلسلہ وار شائع ہوتے رہے۔ بعدازاں یہ مضامین ’مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش‘ کے عنوان سے کتابی صورت میں تین جلدوں میں شائع ہوئے۔ اس کے بعد ’تحریک آزادی ہند اور مسلمان‘ کے عنوان سے اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ نے دو حصوں میں شائع کیا۔

۱۸۔ مودودی تحریک آزادیٔ ہند اور مسلمان ۱/۴۷